کلامِ فیض اور سرائیکی شاعری میں مماثلت

ڈاکٹر مقبول حسن گیلانی*

Abstract:

This article reveals an interesting dimension of history of Urdu literature. Although there is no evidence that lighter in his life times Faiz real Seraiki poetry or he was impressed by any legendary Seraiki poet but there are some similarities in Faiz poetry and Seraiki poetry. This article tries to find the similarities.

اشفاق احمد نے ''شامِ شہرِ یاراں'' میں ''ملامتی صوفی'' کے عنوان سے لکھا تھا:

''اگر فیض صاحب حضور سرورِ کائنات ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو اُن کے چہیتے غلاموں میں سے ہوتے۔ جب بھی کسی بدزبان، تندخو، بداندیش یہودی دکان دار کی دراز دستی کی خبر پہنچتی تو حضور ﷺ کبھی کبھار ضرور فرماتے: آج فیض کو بھیجو، یہ بھی دھیما ہے، صابر ہے، بردبار ہے، احتجاج نہیں کرتا، پتھر بھی کھا لیتا ہے۔ ہمارے مسلک پر عمل کرتا ہے؟'' (نسخہ ہائے وفا، ص ۴۹۶)

اشفاق احمد نے یہ بھی لکھا ہے:

''یہ ادب، یہ صبر، ایسا دھیما پن، اس قدر درگزر، کم سخنی اور احتجاج سے گریز۔ یہ صوفیوں کے کام ہیں۔ اِن سب کو فیض صاحب نے اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔ اوپر سے ملامتی رنگ یہ اختیار کیا ہے کہ اشتراکیت کا گھنٹہ بجاتے پھرتے ہیں کہ کوئی قریب نہ آئے اور محبوب کا راز کھل جائے۔ کیا کہنے! چوری کر، تے بھن گھر رب دا، اوس ٹھگاں دے ٹھگ نوں ٹھگ۔'' (ایضاً)

صوفیا کے درس کے تین اُصول ہیں:

* پرنسپل، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، ملتان کیمپس، ملتان

۱۔ جمع نہ کرے ۲۔ طمع نہ کرے ۳۔ منع نہ کرے

سرائیکی صوفی شاعری سے لے کر جدید مزاحمتی شاعری تک یہی اُصول کارفرما ہیں۔سرائیکی کافی کے امام خواجہ فرید نے آس اور اُمید کو نا اُمیدی سے نکال کر پُر اُمید اور خوش رہنے کا درس دیا اور زندگی گزارنے کے گُر سکھاتے ہوئے مزاحمت کا درس بھی دیا اور کہا ایسا دن ضرور آئے گا جب ہمارا اَمن بھی خوش ہوگا۔اندھیرے کے بعد یقیناً روشنی ہوگی کیوں کہ قدرت کا قانون ہے کہ دریا ایک ہی کنارے نہیں بہا کرتے۔کبھی اِس کنارے بہتے ہیں، کبھی اُس کنارے۔خواجہ فرید کہتے ہیں:

تھی خوش فریدؔ تے شاد وَل ڈو کھڑیں کوں نہ کر یاد وَل

اجھو تھیوم جھوک آباد وَل ایہانیں نہ وہسی ہک منی **(دیوانِ فرید،ص۸۰۵)**

اِسی مضمون کو فیض احمد فیضؔ نے بھی بہت ہی خوب صورت، منفرد، اور موثر انداز میں لفظوں کے موتیوں سے پرویا ہے۔نظم ملاحظہ فرمایئے: ’’وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ‘‘

ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوحِ ازل میں لکھا ہے
جب ظلم وستم کے کوہِ گراں
روئی کی طرح اُڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے
جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑ کے گی
اور اہلِ حکم کے سر اوپر
جب بجلی کڑ کڑ کڑ کے گی
جب ارضِ خدا کے کعبے سے
سب بت اُٹھوائے جائیں گے
ہم اہلِ صفا، مردودِ حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے

سب تاج اُچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے
بس نام رہے گا اللہ کا
جو غائب بھی ہے حاضر بھی
جو منظر بھی ہے ناظر بھی
اور راج کرے گا خلق خدا
جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو **(نسخہ ہائے وفا،ص ۶۵۵)**

دھرتی سے محبت سرائیکی شاعری کا اہم جزو ہے۔ ہر شاعر نے اپنے اپنے انداز میں وطن سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔خواجہ فرید نے ریاست بہاول پور کے نواب صادق محمد خان رابع کی مسند نشینی سے پہلے کہا تھا۔ جب ۱۸۷۹ء سے قبل بہاول پور میں انگریزی انتظام تھا:

سہجوں پھلوں سیجھ سُہا توں بخت تے تخت کوں جوڑ چھکا توں
اپنے ملک کوں آپ وسا توں پٹ انگریزی تھانے **(دیوانِ فرید،ص ۷۷)**

خواجہ صاحب کہتے ہیں: ''اے صادق محمد خان اپنی پھولوں کی سیج کو سُہا اور اسے آراستہ کر کے اپنے بخت اور تخت کو صحیح معنوں میں استعمال کر۔اپنے ملک کو خود مختار، کامل آباد کر اور انگریزی چوکیاں اور تھانے خالی کرالے اور انگریز کی مداخلت ختم کر۔'' فیض احمد فیضؔ کی شاعری میں بھی جا بہ جا وطن سے محبت ذکر نمایاں طور پر ملتا ہے:

تجھ کو کتنوں کا لہو چاہیے اے ارضِ وطن جو ترے عارضِ بے رنگ کو گلنار کریں
کتنی آہوں سے کلیجہ ترا ٹھنڈا ہو گا کتنے آنسو ترے صحراؤں کو گلزار کریں **(نسخہ ہائے وفا،ص ۶۲۴)**

آمریت کے زمانے میں شعرا کی آزادی بھی چھین لی گئی اور انھیں قید میں ڈالا گیا مگر پھر بھی وہ حق بات کہتے رہے۔ خاص طور پر فیضؔ اپنی شاعری میں ایک پُر خلوص انقلابی کی حیثیت سے فرزندانِ وطن کے شانہ بہ شانہ اور جوش و خروش کے ساتھ جدو جہد میں مصروف رہے۔ آمر اس باکمال شاعر کی قوتِ صداقت اور توانائی الفاظ سے خوف زدہ تھے۔فیضؔ نے کہا:

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے کہ خونِ دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے
لبوں پہ مُہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے **(ایضاً،ص ۱۰۷)**

اِسی حوالے سے سرائیکی زبان کے قادرالکلام شاعر اقبال سوکڑی جنہیں ''سرائیکی کا اقبال'' بھی کہا جاتا ہے وہ فیض احمد فیضؔ کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے شاعری کے زندہ اور حیات پرور جذبے کو یوں بیان کرتے ہیں:

ساڈے پیر نہ پہلے بھوئیں تین ہَن ساڈے سِر توں کہیں اسمان چھکیے
ساڈے لفظ یتیمیں وانگ رُلیے ساڈی نظم دا کہیں عنوان چھکیے
چھِک تان اچ اجرک لیراں تھئی ساڈے گئے اقبالؔ ارمان چھکیے
ہِک ساہ ہا آئے ہیں در تیڈے او وی دڑ کے ڈے دربان چھکیے **(اٹھواں آسمان، ص۱۰۵)**

فیض احمد فیضؔ کی شاعری ایک توانا آواز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فیضؔ کی شاعری اَمر ہوگئی ہے۔ فیضؔ کی شاعری کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُن کی شاعری میں وطن کی محبت کے چشمے ہر طرف پھوٹ رہے ہیں۔ وہ اپنے دیس کے لوگوں کی حالت دیکھ کر تڑپ اُٹھتے ہیں۔ کہتے ہیں:

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کے جہاں چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے نظر چرا کے چلے جسم و جاں بچا کے چلے **(نسخہ ہائے وفا،ص۲۱۹)**

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

تیرے کوچے سے چن کر ہمارے علَم اور نکلیں گے عُشّاق کے قافلے
جن کی راہِ طلب سے ہمارے قدم مختصر کر چلے درد کے فاصلے **(ایضاً،ص۲۱۸)**

وطن سے محبت کا یہی انداز سرائیکی شاعری میں بھی نمایاں ہے۔ سرائیکی زبان کے مشہور شاعر اللہ بخش یادؔ کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

آوو رَل تے سارے سوچوں سوہنے ڈیس دے بارے سوچوں
اینڈی سیندھ سنگھارن کیتے چندر لہاؤں تارے سوچوں **(میڈا مٹھا وطن،ص۲۵)**

اسی طرح فیضؔ سے مماثلت کا یہ رنگ بھی دیکھیں:

سدا مان سکھ دیاں تنواراں وطن تیڈے ویڑھے گھوکن بہاراں وطن
جے وقت آوے تاں گل دی رَتول دے نال تیڈیاں سرحداں کوں سنگھاراں وطن **(ایضاً،ص۴۹)**

ممتاز حیدر ڈاہر کو سرائیکی ''شاعری کا گوتم'' بھی کہا جاتا ہے۔ وہ آج کے نئے دَور کا باشعور شاعر ہے۔ وہ اپنے وجود کی پہچان اور اپنی ذات کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اُس کی سوچ اور فکر ملاحظہ ہو:

توں اپنی گول وچ رہ ہوا دی گالھ نہ مَن
اے در بدر ہے اے در در تے دستکاں ڈیسی

اِس اَلمیے کا اظہار یوں بھی کیا:

جیڑے وی دید کراں ایہو تماشہ لگدے　　　شہر مقتل اتے ہر آدمی لاشہ لگدے
لوک مڑدے ودن اینویں جیویں نندروچ ہوون　　　میکوں ایں شہر اُتے دیہہ دا سایہ لگدے

(سرائیکی ادب ریت تے روایت، ص ۲۶۳)

اِن اشعار کی مماثلت فیضؔ کی شاعری میں بھی موجود ہے وہ 'دلِ من مسافرِ من' میں لکھتے ہیں:

مرے دل، مرے مسافر　　　ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم　　　دیں گلی گلی صدائیں
کریں رُخ نگر نگر کا　　　کہ سراغ کوئی پائیں

(نسخہ ہائے وفا، ص ۵۹۵)

اصنافِ سخن میں مرثیے کو روحانی حیثیت حاصل ہے۔ برِصغیر میں سب سے پہلے مرثیہ سرائیکی زبان میں لکھا گیا۔ سرائیکی شاعری میں مقامِ حسین علیہ اسلام صدیوں سے نمایاں نظر آتا ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کا خراجِ عقیدت دیکھیے:

حق پاک دی حقیقی حمایت حسینؓ اے　　　دین خدا دی عزت و عظمت حسینؓ اے
سوہنے نبیؐ دی سچی محبت حسینؓ اے　　　شیرِ علی جلی دی شجاعت حسینؓ اے
قرآن دے ہر حرف دی تفسیر ہے حسینؓ　　　واحدانیت دا نعرۂ تکبیر ہے حسینؓ

فیض احمد فیضؔ کا اظہارِ عقیدت بھی سرائیکی شاعری سے مماثلت رکھتا ہے۔ ''شامِ شہرِ یاراں'' میں ''مرثیۂ امام'' کے عنوان سے اشعار دیکھیے:

کچھ خوف تھا چہرے پہ نہ تشویش ذرا تھی　　　ہر ایک ادا مظہرِ تسلیم و رضا تھی
ہر ایک نگہ شاہدِ اقرارِ وفا تھی　　　ہر جنبشِ لب منکرِ دستورِ جفا تھی **(ایضاً ص ۵۵۳)**

فیض احمد فیضؔ نے کہا:

فیضؔ نہ ہم یوسفؑ نہ کوئی یعقوبؑ جو ہم کو یاد کرے
اپنی کیا کنعاں میں رہے یا مصر میں جا آباد ہوئے

اِسی طرح کا ایک مضمون ہمیں بشیر غم خوارؔ کی شاعری میں ملتا ہے جس میں انھوں نے مرحوم صدرِ پاکستان فاروق لغاری کو مخاطب کیا تھا:

چٹ چائی ونج وسدا چوٹی دا　　　ونج خان کوں آکھیں اوکھے ہیں
جے خان دے خواب دا وقت ہووے　　　دربان کوں آکھیں اوکھے ہیں

ساڈی آس دا یوسف کھوہ وچ ہے کنعان کوں آکھیں اوکھے ہیں

''سرِ وادیِ سینا'' کا انتساب آزادی کی محبت اور فیضؔ کے مصائب زدہ وطن کا منظر نامہ پیش کرتا ہے۔ اُس نے ایک انقلابی شاعر کی حیثیت سے خود اپنی زندگی کو ایک نغمے میں ڈھال لیا اور اپنے نغمے کو جدوجہد کا مؤثر ہتھیار بنالیا۔''انتساب'' کی چند سطور ملاحظہ فرمائیں:

زرد پتوں کا بَن
زرد پتوں کا بَن جو مرا دیس ہے
درد کی انجمن جو مرا دیس ہے
تانگے والوں کے نام
ریل بانوں کے نام
کارخانوں کے بھوکے جیالوں کے نام
بادشاہ جہاں، والی ماسوا، نائب اللہ فِی الارض
دہقاں کے نام
جس کے ڈھوروں کو ظالم ہنکا لے گئے
جس کی بیٹی کو ڈاکو اُٹھا لے گئے
اُن دکھی ماؤں کے نام
رات میں جن کے بچے بلکتے ہیں اور
نیند کی مار کھائے ہوئے بازوؤں میں سنبھلتے نہیں
دُکھ بتاتے نہیں
منتوں زاریوں سے بہلتے نہیں **(ایضاً،ص ۳۹۸،۳۹۰)**

سرائیکی زبان کے قادرالکلام شاعر شاکرؔ شجاع آبادی اپنے وسیب کے لوگوں کے دُکھ اِس طرح بیان کرتے ہیں:

میں سُنیداں دل توں نکلی ہوئی غزل کجھ غور کر مہربانی اَئے خدائے لم یزل کجھ غور کر
کہیں دے کُتے کھیر پیون کہیں دے بچے بکھ مرن رزق دی تقسیم تے ہک وار وَل کجھ غور کر

(کلامِ شاکر،ص ۲۷)

ایک اور جگہ شاکرؔ شجاع آبادی لکھتے ہیں:

میڈا رازق رعایت کر نمازاں رات دیاں کر ڈے
جو روٹی شام دی پوری کریندیں شام تھی ویندی

فیضؔ نے ''نقشِ فریادی'' میں ''حسینۂ خیال سے'' یوں گفت گو کی تھی:

مجھ دے دے
رسیلے ہونٹ ، معصومانی پیشانی ، حسیں آنکھیں
کہ میں اِک بار پھر رنگینوں میں غرق ہو جاؤں
مری ہستی کو تیری اِک نظر آغوش میں لے لے
ہمیشہ کے لیے اس دام میں محفوظ ہو جاؤں
ضیائے حسن سے ظلماتِ دنیا میں نہ پھر آؤں
گذشتہ حسرتوں کے داغ میرے دل سے دُھل جائیں
میں آنے والے غم کی فکر سے آزاد ہو جاؤں **(نسخہ ہائے وفا،ص۲۹)**

انہیں جذبات سے ملتی جلتی نظم ''میڈے وس ہووے'' دیکھیں جو عزیز شاہد کا کلام ہے:

میڈے وس ہووے میں ترٹ پوواں
تیڈے پیر چماں تیڈے پندھ چماں تیڈے راہ دی دھوڑ دھماں چماں
تیڈی ونگ چماں تیڈے رنگ چماں تیڈے پلکیں دی پنیال چماں
تیڈے نین چماں کونین چماں وچ وسدی مونجھ ملال چماں
تیڈے خال چماں لب لال چماں تیڈے منہ دی ہک ہک گال چماں

''دستِ صبا'' میں ''لوح وقلم'' کے عنوان سے فیضؔ کہتے ہیں:

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے — جو دل پہ گزرتی ہے، رقم کرتے رہیں گے
اِک طرزِ تغافل ہے سو وہ اُن کو مبارک — اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

(ایضاً،ص۱۱۹،۱۲۰)

اِسی مضمون کی مماثلت شاکرؔ شجاع آبادی کے اس شعر میں بھی نظر آتی ہے:

میڈا مقصد ایہ تاں نی سندا نِوی مظلوم دی
تو سمیع ایں تو بصیر ایں دراصل کجھ غور کر

(کلامِ شاکر،ص۲۷)

''زنداں نامہ'' میں فیضؔ فرماتے ہیں:

صبح پھوٹی تو آسماں پہ ترے　　　رنگِ رخسار کی پھوہار گری
رات چھائی تو روئے عالم پر　　　تیری زُلفوں کی آبشار گری

(نسخہ ہائے وفا،ص۲۷۳)

عزیز شاہد کی سرائیکی شاعری سے ویسے تو اِس وسیب کی مٹی کی خوش بو آتی ہے۔اپنی دھرتی اور دھرتی کے لوگ یاد آتے ہیں مگر اِن اشعار سے فیضؔ کے کلام کی خوش بو آتی ہے:

نینوں نیر نگال نہ ترٹے　　　دل دی درد دھمال نہ ترٹے
ترٹ پوون اسمان اساں تیں　　　تیڈے سِر دا وال نہ ترٹے **(جوگ،ص۱۴)**

فیض احمد فیضؔ کی ترقی پسند شاعری نے پوری دنیا کے ادب میں گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔اُن کے کلام کے دوسری زبانوں میں تراجم بھی مقبول ہوئے۔وہ ہمیشہ مظلوم کے حق کے لیے لڑتے رہے۔اُن کے کلام کا عکس سرائیکی زبان کی مزاحمتی شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔مثال کے طور پر جہاں گیر مخلصؔ کی نظم ''اٹھویں ترمیم'' ملاحظہ ہو جو ضیاالحق کی آمریت کی یاد دلاتی ہے:

توں لکھ ترمیماں کروینداں رہ توں لکھ تعزیراں آپ بنا　　　سب ضابطے ظلم جبر والے ساڈی جان اُتے وَل وَل ازما
ساکوں نیل پوابھانویں ہتھکڑیاں بھانویں سولی تے ساکوں لوڑیڈے　　　او اندھی نگری دا راجا توں اپنے سارے شوق مٹا

(پڑہ وباکھ،ص ۶۵)

اِسی طرح جبر واستحصال کا تذکرہ نظم ''پارت'' میں دیکھیں:

توں ڈکھاں دے سارے سفر یاد رکھیں　　　کیویں تھئی ہے تیڈی بسر یاد رکھیں
جیڑھے ساڈیاں نسلاں دے ساہ پیندے رہ گن　　　اُنہاں کالے نانگیں دے گھر یاد رکھیں
لغاری، مزاری، گیلانی، عباسی　　　تیڈی راہ دے ہن پتھر یاد رکھیں
جیڑھے تیڈی دھرتی دے بن گن وپاری　　　اوکھوسے، دریشک تے کھر یاد رکھیں
ایہہ گردیزی مخدوم کچھی قریشی　　　انہاں وی نی چھوڑی کسر یاد رکھیں **(ایضاً،ص۶۵،۵۷)**

فیض احمد فیضؔ میں شاعری کا مادہ فطری اور وہبی تھا۔وہ ایک ٹھنڈے مزاج کے اور بے حد صلح پسند آدمی تھے۔بات کتنی بھی اشتعال انگیز ہو، حالات کتنے بھی ناسازگار ہوں، وہ نہ برہم ہوتے تھے اور نہ مایوس اور یہی حال سرائیکی وسیب کے لوگوں کا ہے اور یہی سوچ اور فکر سرائیکی شعرا میں پائی جاتی ہے۔سرائیکی مزاحمتی شاعری قلب وجگر کو گرما کے رکھ دیتی

ہے۔میں سمجھتا ہوں فیضؔ کی شاعری نے یقیناً نیا رُخ اختیار کیا مگر سرائیکی شاعری بھی نئے زاویے کے ساتھ سامنے آئی جو فیضؔ کی شاعری سے مماثلت رکھتی ہے۔اکادمی ادبیات پاکستان کے مطابق پاکستان میں سب سے زیادہ کتابیں سرائیکی زبان میں چھپتی ہیں جن میں بیش تر شاعری کی ہوتی ہیں اور اِس تمام شاعری کو مزاحمتی ادب کا درخشندہ ستارہ کہا جاسکتا ہے۔ایک سرائیکی نظم ''اَساں نمانے تے کنڈ ورانے'' ملاحظہ فرمایئے جو بےنظیر بھٹّو شہید کو بھی بہت پسند تھی۔

اَساں نمانے تے کنڈو رانے
اساڈی قیمت اساڈی خواہش
ہمیش پر کہیں دی خیر ہووے
نہ کوئی رُلے اوپرے دریں تے
نہ کہیں دے وطنیں تے غیر ہووے
اَساں نمانے تے کنڈو رانے
اساڈیاں نسلاں وی کنڈو رانیاں
اساڈے بارے وی سوچ سندھڑی
تیڈے ''بلاول'' دی خیر ہووے

فیضؔ نے لکھا:

زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں
لیکن اَب ظلم کی معیاد کے دن تھوڑے ہیں اِک ذرا صبر، کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں

(نسخہ ہائے وفا،ص ۷۵)

اِسی کیفیت کو شاکرؔ شجاع آبادی نے شان دار اور جان دار انداز میں بیان کیا ہے:

زندگی ہک بوجھ ہے بس چئی وداں چودی نی پر کنڈ پچھوں لڑکئی وداں
اِجھو مکدے پَندھ گھر نزدیک ہے تھکے بُت کوں ایہو لارا لئی وداں

(کلامِ شاکر،ص ۵۱)

سرائیکی خطے کی زمین کے ساتھ ساتھ سرائیکی زبان کو بھی خصوصی انعام واکرام سے نوازا گیا ہے۔اِس زبان کی نرمی، ملائمت، اور لطافت اپنی مثال آپ ہے۔

جیسے فیضؔ کو امن کا شاعر کہا جاتا ہے اور اُن کی شاعری محبت کی علامت ہے اُسی طرح سرائیکی پیار، محبت، امن، اور شانتی کے رچاؤ میں رچی ہوئی ایسی مٹی ہے جہاں محبت والفت، امن اور دوستی کے پیڑ اگتے ہیں اور ان

پیڑوں کی شاخوں پر یادوں کے ایسے حسین پھول کھلتے ہیں جن کی دل کش خوش بو کبھی بابا فرید کے دوہے، کبھی سلطان باہو کے بیت، کبھی خواجہ فرید کی کافی، اور کبھی شاکر شجاع آبادی کے ڈوہڑے کی شکل میں ہماری سانسوں کو مہکا دیتی ہے اور اِس مہک اور خوش بو سے پاکستان میں بسنے والے سرائیکی، سندھی، پنجابی، بلوچ، پشتون حتیٰ کہ عربی اور فارسی سب لطف اندوز ہو رہے ہیں، بلاشبہ دھرتی ماں ہے اور اس کی گود میں پلنے والے سب اس کے بیٹے، لہٰذا تمام بیٹوں کے لیے ماں کی محبت اور سخاوت برابر ہے۔

ماخذات

۱۔ اقبال سوکڑی، ''اٹھواں اسمان''، ڈیرہ غازی خاں، ناصر پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔

۲۔ شاکر شجاع آبادی، کلامِ شاکر، ملتان، وسیب سرائیکی ادبی مرکز، ۲۰۰۲ء۔

۳۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، ''سرائیکی ادب ریت تے روایت''، ملتان، بیکن بکس، ۱۹۹۳ء۔

۴۔ عزیز شاہد، ''جوگ''، ملتان، جھوک پبلی شرز، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ غلام فرید، خواجہ ''دیوان فرید''، مرتبہ ظہور دھریجہ، ملتان، جھوک پبلی شرز، ۲۰۱۰ء۔

۶۔ فیض احمد فیضؔ، ''نسخہ ہائے وفا''، لاہور، مکتبہ کارواں، سن ندارد۔

۷۔ مخلصؔ، جہاں گیر، ''پرّہ باکھ'' احمد پور شرقیہ، سمل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء۔

۸۔ یادؔ، اللہ بخش، ''میڈا مٹھا وطن''، ملتان، الکتاب گرافکس، ۲۰۰۴ء۔

❀……❀……❀